نے سب سے پہلے اپنا یہ اہم نظریہ پیش کر کے حاکموں کے اختیارات محدود کیے۔ حاکم و محکوم کے تعلقات کی ایک بنیاد متعین کی اور امت کو حاکموں پر اختیار دیا۔ قوانین موضوعہ میں ہم ایک انگریزی قانون کو پاتے ہیں جس نے دوسرے قوانین سے پہلے قوم کے اس اختیار کو تسلیم کیا۔ یہ واقعہ سترھویں صدی عیسوی کا ہے، یعنی شریعت سے پورے گیارہ سو سال بعد کا۔ اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے اواخر میں فرانس کا انقلاب ہوا اور اس کے نتیجہ کے طور پر یہ اصول تمام قوانین میں پھیل گیا۔

قوانینِ موضوعہ نے اس معاملہ میں شریعت ہی کو شمعِ راہ بنایا ہے اور اسی کے طریقہ کو اپنایا ہے۔ جس طرح شریعت میں نصوصِ شریعت کو فیصلہ کن حیثیت حاصل ہے، جو اسلام کا دستورِ اساسی ہے۔ اسی طرح ان قوانین میں دستور کو حاکم و محکوم کے درمیان حدِ فاصل مانا گیا ہے، جو افراد، جماعتوں اور حاکموں اور ہر ایک کے حدودِ اختیار کی وضاحت کرتا ہے۔

۲۸ - **نظریۂ طلاق** اسلامی شریعت نے مرد کا عورت کو طلاق دینا مطلق حیثیت سے جائز رکھا ہے وہ دخول سے قبل یا دخول کے بعد کسی وقت اور کسی وجہ سے بھی عورت کو طلاق دے سکتا ہے۔ وہ اس بات کا بھی پابند نہیں کہ اس کے لیے رشتۂ ازدواج کے نقصان رساں ہونے کا ثبوت پیش کرے۔ طلاق کا دینا مطلقاً اس کے اختیار پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

عورت کو بھی مشروط طور پر یہ حق دیا گیا ہے وہ عدالت سے طلاق کی درخواست کر سکتی ہے۔ بشرطیکہ وہ یہ ثابت کر سکے کہ مرد سے اسے کوئی مادی یا غیر مادی نقصان پہنچتا ہے۔ یا وہ اس کے حقوق جو از روئے شریعت اس پر واجب ہیں ادا نہیں کرتا۔

مرد اور عورت کے درمیان حقِ طلاق کے استعمال میں اس فرق کی وجہ یہ ہے کہ امورِ زوجیت میں مرد قوام کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ان امور کا سربراہ کار ہوتا ہے۔ اور اس کی ساری ذمہ داریوں کو اٹھاتا ہے۔ اس پر عورت کا مہر لازم ہے۔ شادی کے اخراجات وہ برداشت کرتا ہے۔ عقد کے ساتھ ہی بیوی کا نان نفقہ اس پر فرض ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ ابھی اس کے گھر منتقل بھی نہ ہوئی ہو۔ اس پر اور اس سے ہونے والی اپنی اولاد پر خرچ کرنے کا وہ پابند ہے۔ ان گراں بار اور اہم ذمہ داریوں کے مقابلہ میں

اسے غیر مشروط طور پر طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ ایک دوسری حیثیت سے اس میں عورت کے لیے بھی بہتری ہے۔ اس لیے کہ مرد پر اس بات کی پابندی کہ وہ طلاق کے اسباب بیان کرے، لبا اوقات عورت کی بدنامی اور دوسری شادی سے محرومی کا بھی باعث ہو جاتی ہے۔

عورت کو مادی یا غیر مادی نقصان کی شرط کے ساتھ جو طلاق کا حق دیا گیا ہے۔ تو یہ ایک تو مرد کی بڑائی اور امورِ زوجیت میں اس کی نسبتاً اہم پوزیشن کے مناسب حال ہے۔ دوسرے اس میں عورت کو مرد کے ظلم سے بچانے کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔ پھر مرد کو بھی اس میں اس بات کا اطمینان رہتا ہے کہ عورت اپنے حقِ طلاق کا جا و بے جا استعمال نہیں کرے گی۔

شریعت نے مرد کو غیر مقید اور مطلق طلاق کا حق دیا ہے تو اس کے مقابلے میں اس پر کچھ ایسے فرائض بھی عائد کیے ہیں، جن کا مقصود عورت کے حقوق کی حمایت اور اس کے مصالح کا لحاظ ہے۔

طلاق کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل ہو، یا دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد ہو یا دخول کے بعد ہو۔ ہر صورت میں شریعت نے مرد پر عورت کے تعلق سے ایسی ذمہ داریاں عائد کی ہیں، جو اسے لازماً ادا کرنی چاہئیں۔ یہ ذمہ داریاں ایک لحاظ سے عورت کے لیے طلاق سے پیدا ہونے والے نقصانات کا بدلہ سمجھی جا سکتی ہیں اور دوسری حیثیت سے یہ مرد کو حقِ طلاق کے استعمال سے قبل سوچنے اور غور و فکر کرنے پر مجبور کرتی ہیں۔

طلاق۔ دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل۔ اگر مرد عورت کو دخول اور مہر مقرر کرنے سے قبل طلاق دے، تو اس پر متعہ فرض ہے یعنی دستور کے مطابق عورت کو معاوضہ ادا کرے۔ دستور کے مطابق سے مراد یہ ہے کہ اس کی طرح کے۔ یعنی مالی اعتبار سے اس کے ہم رتبہ اور اس کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے مرد ان حالات میں جو عورتوں کو دیا کرتے ہیں دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ، مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ (البقرہ: ۲۳۶)

"کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو

ان کے لیے کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے، لازم ہے نیکی کرنے والوں پر۔

طلاق۔ دخول سے قبل اور مہر مقرر کرنے کے بعد۔ اگر مرد دخول سے قبل لیکن مہر مقرر کر چکنے کے بعد طلاق دے تو وہ طلاق کے معاوضہ کے طور پر عورت کو نصف مہر دینے پر پابند ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ

(البقرہ : ۲۳۷)

"اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کے لیے مہر تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے، مگر یہ کہ درگزر کریں عورتیں یا درگزر کرے وہ شخص کہ اس کے ہاتھ میں ہے گرہ نکاح کی اور تم مرد درگزر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری کے"

طلاق۔ دخول کے بعد۔ اگر مرد دخول کے بعد عورت کو طلاق دے تو اسے پورا مہر دینا ہوگا۔ اگرچہ مہر کا اکثر حصہ وہ فوراً ادا نہ کر سکے۔ اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ شادی کے موقع پر جو کچھ اس نے عورت کو پیش کیا، یا ازدواجی زندگی کے دوران میں جن جن چیزوں کا بھی اسے مالک بنا دیا۔ وہ سب اسے دے دے۔ جن باتوں کا وہ پابند تھا اور جن حقوق کا ادا کرنا اس پر فرض تھا صرف اسی کے بارے میں یہ حکم نہیں بلکہ جو چیزیں اس نے بطور زائد انعام کے دی ہیں، وہ بھی واپس نہ لے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا یہی مطلب ہے:۔

وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ۔ (النساء : ۲۰)

"اگر بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور دے چکے ہو ایک کو بہت سامال تو مت پھیر لو اس میں سے کچھ، کیا لیا چاہتے ہو اس کو ناحق اور صریح گناہ سے"

اس کے بعد مرد پر یہ بھی فرض ہے کہ عورت کی عدت ختم ہونے اور اس طرح کسی دوسرے سے نکاح کے قابل ہونے تک اس کا نان نفقہ دے۔ مطلقہ کی عدت اس کے حاملہ اور غیر حاملہ ہونے کی حیثیت سے مختلف ہو گی۔ اگر وہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ" (الطلاق: ۴) "اور جن کے پیٹ میں بچہ ہے، ان کی عدت یہ کہ جن لیں پیٹ کا بچہ" اور اگر حاملہ نہ ہو تو اس کی عدت تین قرء کی مدت کا گزرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:- وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ (البقرہ: ۲۲۸) "اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین قرء تک" قرء ایک گروہ کی رائے میں حیض کو کہتے ہیں اور دوسرے گروہ کی رائے میں طہر کو۔

سب سے پہلی چیز جو ہمیں طلاق کی ان نصوص میں نظر آتی ہے، وہ ان کی عمومیت اور لچک ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر زمانہ اور ہر مقام کے لیے کارآمد تھیں اور کبھی ان میں ترمیم و تبدیلی کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ زمانہ ہمارے اس دعوے کی ایک روشن شہادت ہے۔ آج پوری تیرہ صدیاں گزر چکنے کے بعد بھی ان نصوص میں ویسی ہی جدت، صلاحیت اور رفعت و بلندی ہے جیسی کہ نزول کے وقت تھی۔

اسلامی شریعت نے تیرہ صدیوں سے زوجین کو طلاق کا یہ حق دے رکھا ہے۔ اور اس طرح کی مضبوط اور عادلانہ ضمانتیں اس کے ساتھ لگا رکھی ہیں۔ لیکن ہماری تہذیب یافتہ دنیا نے اب بیسویں صدی میں کہیں چل کر اسے جانا ہے کچھ پہلے تک تو ایسے لوگ بھی تھے، جو شریعت کے حق طلاق دینے پر ناک بھوں چڑھاتے تھے، لیکن پھر زمانے نے پلٹا کھایا۔ علم کی روشنی پھیلی اور ترقی کا دور آیا۔ قوموں نے کچھ آگے کی طرف قدم بڑھائے، اور عقلیں آزادانہ سوچنے کے قابل ہوئیں۔ تب علماء و مفکرین نے یہ حقیقت محسوس کی کہ واقعی طلاق کا حق مرد اور عورت دونوں کے لیے رحمت ہے ناکام ازدواجی زندگی، تکلیف دہ معاشرت اور روحانی بے اطمینانیوں سے چھٹکارا پانے کا یہی ایک محفوظ طریقہ ہے۔ اگر ازدواجی زندگی سعادت و مسرت کی دولت بخشنے میں ناکام رہے تو پھر طلاق ہی کے ذریعہ یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ اور طلاق ہی ایک ایسا اصول ہے جس سے عورت اور مرد

دونوں گناہوں اور شیطانی وسوسوں کا شکار ہونے سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔

آج ترقی یافتہ اور متمدن قوموں کا شاید ہی کوئی قانون ہو، جس میں طلاق کا اصول تسلیم نہ کیا گیا ہو۔ لیکن یہ ہے کہ ان قوانین نے مختلف حیثیت سے اس اصول کو اپنایا ہے۔ بعضوں نے اس میں وسعت دے دی تو بعضوں نے اسے بہت محدود کر دیا۔ مثلاً روسی قانون نے عورت و مرد دونوں کے لیے بلا قید و شرط طلاق جائز قرار دیا ہے۔ گویا شریعت میں جو اصول مرد کے لیے مخصوص ہے، اسے مرد و عورت دونوں کے لیے وسیع کر دیا گیا ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ کے تحت کی بعض ریاستوں کے قوانین میں عورت اور مرد دونوں کو طلاق کی درخواست کرنے کا حق حاصل ہے۔ بشرطیکہ درخواست کرنے والا فریق کسی قسم کے مادی یا غیر مادی نقصان کا ثبوت پیش کر سکے، جو اسے فریق ثانی سے پہنچ رہا ہے، گویا ان قوانین نے شریعت کے اس اصول کو لیا جس میں عورت کا حق طلاق واضح کیا گیا ہے اور اسے مرد و عورت دونوں پر عام کر دیا۔ اکثر قوانین ایسے ہیں جن میں مرد و عورت میں سے ہر ایک کو معین اسباب کی بنا پر اور خاص حدود میں طلاق طلب کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ گویا یہ قوانین شریعت سے عورت کے حق طلاق کی دفعہ کو لے کر مرد و عورت دونوں پر اسے منطبق کرتے اور طلاق کے اسباب اور حدود کو زیادہ محدود کر دیتے ہیں۔

اس طرح تیرہ صدیوں بعد دنیا نے شریعت کے نظریۂ طلاق کو تسلیم کر کے اپنانا شروع کیا ہے۔ ابھی بیسویں صدی گذری ہی نہیں کہ طلاق کا یہ اصول زیادہ سے زیادہ قوانین میں جگہ پاتا جا رہا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ قوانین اس نظریہ کو اس کے تمام گوشوں سمیت اپناتے جا رہے ہیں۔

اس وضاحت کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ طلاق کا یہ نظریہ شریعت کے کامل اور دائمی ہونے کی ایک واضح دلیل ہے۔ شریعت کے نزول کے وقت دنیا اس نظریہ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود محض اس لیے ہم اس کو اس میں موجود پاتے ہیں کہ ایک کامل اور دائمی شریعت کا جس کا مقصود سوسائٹی کے جذبات کی تائید کے بجائے اس کی سطح کو بلند کرنا اور اسے ترقی و کمال کی راہ پر ڈالنا ہے، یہ ایک لازمی تقاضا تھا۔